۴۵

رمضان کا آخری ہفتہ

(فرمودہ ۱۶/ مارچ ۱۹۲۸ء)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

یہ ہفتہ جو شروع ہونے والا ہے یعنی کل سے شروع ہو گا یہ رمضان کا آخری ہفتہ ہے اور اس کے بعد دن کو پھر وہی کھانا پینا ہو گا اور انسان ہو گا، وہی تن آسانیاں ہونگی اور انسان ہو گا، وہی غفلتیں ہوں گی اور انسان ہو گا سوائے اس کے جن کے اندر رمضان کوئی تبدیلی پیدا کر گیا اور خدا کے قرب کا احساس ان کے دلوں میں چھوڑ گیا۔

لیکن یاد رکھنا چاہئے یہ احساس بھی دعا کے ساتھ ہی پیدا ہو سکتا ہے۔ دعائیں ہی ایک ایسی چیز ہیں جو انسان کو کامیابی کی طرف لے جانے والی ہوتی ہیں۔ جس کثرت کے ساتھ اس ماہ میں دعاؤں کا موقع ملتا ہے دوسرے مہینوں میں نہیں ملتا۔ پس میں دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ خصوصیت کے ساتھ اس ماہ میں دعائیں کریں اور قرآن کریم کی تلاوت بھی ضرور کریں تا رمضان کی برکات سے پورا حصہ لے سکیں۔ قرآن کریم کا نزول رمضان میں شروع ہؤا اور سال بھر میں جتنا قرآن رسول کریم ﷺ پر نازل ہوتا تھا وہ رمضان میں دوبارہ نازل کیا جاتا تھا حتیٰ کہ آپؐ نے اپنی وفات کا اندازہ بھی اسی امر سے لگایا کہ ہر رمضان میں قرآن ایک دفعہ نازل ہوتا تھا اور اب کے دو دفعہ نازل ہؤا ہے[1] تو رمضان کے مہینے میں رسول کریم ﷺ کے ذہن میں قرآن کو تازہ کرنے کے لئے جبرائیل دوبارہ نازل ہوتا تھا۔ اس سے یہ سنت بھی معلوم ہوتی ہے کہ قرآن کی حقیقی تلاوت یہی ہے کہ ایک ماہ میں ایک دور کیا جائے۔ یہ گویا قرآن کریم کی طبعی تلاوت ہے اسی لئے اس کے تیس پارہ ہیں۔ اس کے یہ معنی تو نہیں کہ اس سے کم وبیش قرآن نہیں پڑھنا چاہئے۔ بسا اوقات ایک انسان کو ضرورت ہوتی ہے کہ وہ اس

سے زیادہ پڑھے اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ کئی گھنٹوں میں ایک پارہ ختم کر سکتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے ان کے دنیاوی کاموں کو مدنظر رکھتے ہوئے سخت مشکل ہوتا ہے کہ وہ روزانہ پارہ پارہ ختم کر سکیں۔ بعض آدمیوں کو میں نے دیکھا ہے آدھ گھنٹہ تک پڑھنے کے بعد اگر ان سے پوچھا جائے کہ کتنا پڑھا ہے تو صرف دو تین رکوع بتائیں گے۔ وہ اگر سیپارہ ختم کریں تو ان کے دوسرے کام کاج میں حرج ہوگا۔ میری اپنی یہ حالت ہے کہ اگر تیزی کے ساتھ پڑھوں تو بارہ منٹ میں ایک سیپارہ ختم کر دیتا ہوں اور عام رفتار کے ساتھ بھی بیس، بائیس منٹ میں ختم کر سکتا ہوں۔ غرض مختلف حالتیں ہوتی ہیں۔ بعض لوگ بار بار قرآن کریم کو پڑھنے کی وجہ سے جلدی جلدی پڑھ سکتے ہیں۔ یا جن کو عربی زبان میں مہارت ہوتی ہے یا حافظ ہوتے ہیں وہ آسانی اور تیزی کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں۔ ایسے لوگ اگر زیادہ پڑھیں تو اچھی بات ہے مگر جبرائیل کا آنا اسی حکمت سے تھا کہ امت کے لئے تلاوت کا یہی اندازہ ہے کہ ایک سیپارہ روز قرآن کریم کی تلاوت کی جائے۔ دعائیں بھی خصوصیت سے ان دنوں کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ پھر سنت سے صدقہ خیرات بھی ان دنوں میں کثرت سے کرنا ثابت ہے۔ صحابہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ ویسے تو ہمیشہ ہی سخاوت کرتے تھے مگر رمضان کے دنوں میں کثرت اور خصوصیت سے کرتے تھے۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم اتنی سخاوت ضرور چاہئے کہ ایک آدمی کے کھانے کا ماہوار خرچ ہو جائے۔ اور جسے اس کی توفیق نہ ہو اس کے لئے تسبیح، تحمید اور تکبیر کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ ذکر الٰہی کو بھی رسول کریم ﷺ نے صدقات کا قائم مقام ٹھہرایا ہے۔

ایک مرتبہ غرباء رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ یہ بے انصافی ہے کہ امراء صدقہ کر کے ہم سے بڑھ جاتے ہیں۔ نماز وہ بھی پڑھتے ہیں ہم بھی پڑھتے ہیں، روزے وہ بھی رکھتے ہیں ہم بھی رکھتے ہیں، جہاد ہم بھی کرتے ہیں وہ بھی کرتے ہیں مگر یہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اس طرح زیادہ ثواب حاصل کر لیتے ہیں۔ ہمارے پاس روپیہ نہیں کہ ہم اس پہلو سے بھی ان کی برابری کر سکیں[2] دیکھو صحابہ نے کیسا اخلاص کا عجیب نمونہ پیش کیا ہے۔ آج کل لوگ کہتے ہیں فلاں مالدار ہے اس لئے اس کی زیادہ خاطر کی جاتی ہے اور غریبوں کی طرف کم توجہ کی جاتی ہے مگر یہ نہیں سوچتے کہ آخر جو خود لوگوں سے اچھا سلوک کرے گا اس کے ساتھ بھی اچھا سلوک ہونا ضروری ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے زمانہ میں بھی یہ اعتراض ہوتے تھے کہ کوئی امیر آتا ہے تو اسے اچھے کھانے دیئے جاتے ہیں اور غریب کو دال روٹی ہی ملتی ہے اور اس طرح آپ ؑ کے دربار میں بھی امتیاز رکھا جاتا ہے۔ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس اعتراض کو سن کر فرمایا کہ یہ فرق تو خدا کے گھر سے ہی قائم کیا گیا ہے ایک شخص جس کو اپنے گھر میں خدا تعالیٰ پلاؤ کھانے کے لئے دیتا ہے اسے اگر ہم دال کھانے کو دیں تو یہ خدا تعالیٰ کی سخت گستاخی ہو گی۔ یہ غلط باتیں ہیں۔ ہر ایک انسان کو آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ خدا تعالیٰ کے فرق مٹائے نہیں جاسکتے۔

اس طرح اعتراض ہونے لگیں تو پھر اگر کپڑا تقسیم ہو تو یہ اعتراض بھی ہو گا کہ فلاں شخص کا قد چھ فٹ ہے اس کو زیادہ کپڑا چلا گیا۔ اور فلاں صرف چار فٹ کا ہے اسے کم ملا مگر یہ قدرتی فرق ہیں ان کو کوئی نہیں مٹا سکتا۔ ایک ذہین طالب علم سبق جلد یاد کر لیتا ہے مگر غبی الذہن دیر میں یاد کرتا ہے۔ ایک قوی اور توانا شخص فوج میں جلد ترقی کر کے عہدیدار بن جاتا ہے مگر ایک کمزور آدمی ساری عمر سپاہی ہی رہتا ہے۔ تو یہ فرق خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں اور دنیا میں ہمیشہ رہیں گے ہاں دینی امور میں کوئی امتیاز اور فرق نہیں۔ اگر کوئی امیر دیر سے مسجد میں آئے تو وہ ضرور پیچھے ہی بیٹھے گا۔ اگر وہ کسی غریب کو پیچھے کر کے خود آگے بیٹھے تو ہم ضرور اسے پکڑیں گے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ کوئی دوست یا عزیز اس کے لئے اپنی جگہ چھوڑ دے یہ ناجائز نہیں۔ مگر وہ زبردستی جگہ آگے حاصل نہیں کر سکتا اسی طرح اور بھی بیسیوں باتیں ہیں جن میں کوئی فرق نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً قانونی اور شرعی حقوق میں کوئی امتیاز نہیں ہو سکتا۔ غرض اس بات سے معلوم ہو سکتا ہے کہ صحابہؓ کے دلوں میں کیسا اخلاص تھا۔ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ یہ کیوں دولتمند ہیں روپیہ یہ کیوں جمع کرتے ہیں بلکہ یہ شکوہ کیا کہ یہ دین میں ہم سے کیوں آگے بڑھ جاتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے ان سے فرمایا تم ہر نماز کے بعد گیارہ گیارہ مرتبہ تسبیح اور تحمید اور بارہ مرتبہ تکبیر پڑھا کرو۔ بعض حدیثوں میں ۳۳، ۳۳ دفعہ تسبیح و تحمید اور ۳۴ دفعہ تکبیر بھی آیا ہے اس طرح تم بھی ان لوگوں کے ساتھ شامل ہو جاؤ گے۔[۳]

آج کل کے کمزور ایمان والے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ہمارے ساتھ بہتر سلوک کیوں نہیں کیا جاتا۔ ہمیں مال کیوں نہیں دیا جاتا مگر صحابہ یہ کہتے تھے امیر روپیہ دے کر ہم سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ ہمیں کوئی ایسا طریق بتایا جائے کہ ہم ثواب حاصل کرنے میں ان سے پیچھے نہ

رہیں۔ جب امیروں کو اس بات کا علم ہؤا کہ رسول کریم ﷺ نے تحمید اور تسبیح کرنے کا ارشاد فرمایا ہے تو انہوں نے بھی تسبیح، تحمید شروع کر دی۔ اس پر غرباء نے پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ امیر بھی آپؐ کے ارشاد پر عمل کرنے لگ گئے ہیں اب ہم کیا کریں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں خدا کی نیکی سے کیونکر کسی کو روک سکتا ہوں اگر ان کے مال ان کی دینی ترقی کا موجب ہو رہے ہیں تو میں ان کو کیسے اس سے منع کر دوں۔

اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ذکر الٰہی کو صدقہ کا قائم مقام ٹھہرایا گیا ہے۔ پس جو غریب لوگ صدقہ نہیں دے سکتے وہ تسبیح و تحمید و تکبیر سے ثواب حاصل کر سکتے ہیں۔ اور اگر کوئی امیر باوجود مالی خیرات کے یہ بھی کرے تو رسول کریم ﷺ نے اس سے روکا نہیں یہ اس کے لئے مزید ترقی کا موجب ہو گا۔ مگر آج کل کے امیروں میں ایسے لوگ بہت کم ہیں۔

پس اپنے اندر چستی پیدا کرنے کا یہ بھی ایک ذریعہ ہے کہ امراء صدقہ کریں اور جن کو صدقہ کرنے کی توفیق نہیں وہ تسبیح و تحمید کریں۔ اس کے لئے ضروری نہیں کہ رسم کے طور پر ایک خاص شکل بنائے ہوئے مسجد میں انسان بیٹھا رہے بلکہ وہ خواہ کہیں ہو تسبیح کر سکتا ہے۔ مجلس میں بیٹھا ہؤا بھی تسبیح و تحمید و تکبیر کر سکتا ہے۔ اور اس طرح ہر انسان کے لئے اس حکم کے پورا کرنے میں سہولت ہے اور کوئی شخص خواہ کتنا ہی غریب کیوں نہ ہو اس طرح صدقہ دے سکتا ہے۔ اور جو شخص سارا سال ایسا کرے وہ گویا سارا سال صدقہ دیتا رہتا ہے۔

موجودہ زمانہ میں دعا پر جس قدر ظلم ہو رہا ہے میں سمجھتا ہوں اور کسی زمانہ میں نہیں ہؤا ہو گا۔ اس زمانہ میں دعا کی حیثیت ایک بے جان لاشہ کی سی ہو گئی ہے۔ کچھ لوگ تو ایسے ہیں جنہوں نے اسے بدترین اور لغو شئے سمجھ رکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں خدا تعالیٰ کوئی بچہ نہیں کہ ہم اس سے مانگیں گے تو وہ ہمیں دے دے گا اگر محنت کرو گے تب ملے گا۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو دعا کو چھُو منتر سمجھے ہوئے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے ہمارے ملک میں بچے آنکھ مچولی کھیلتے ہیں۔ ایک بچہ آنکھیں بند کر لیتا ہے اور باقی بھاگ جاتے ہیں۔ پھر وہ ان کو پکڑنے کی کوشش کرتا ہے اس دوران میں اگر کوئی بچہ مقررہ مقام پر آکر "تھُو" کر دے تو وہ بچ جاتا ہے اور پھر اس کو پکڑ کر اس کی آنکھیں نہیں بند کی جاسکتیں۔ تو بعض لوگوں نے دعا کو ایک ایسی ہی کھیل سمجھ رکھا ہے کہ جب تھُو کیا سب کچھ حاصل ہو جائے گا۔ پھر اگر ان کی مراد پوری نہ ہو۔ مثلاً اگر وہ بیٹے کے لئے دعا کر رہے ہوں اور وہ نہ ملے۔ یا مقدمہ میں ان کی فتح نہ ہو تو خدا سے ناراض ہو جاتے

ہیں کیونکہ انہوں نے سمجھ رکھا ہے کہ ہمارے منہ سے ایک دفعہ کسی بات کے کہہ دینے سے خدا پر اس کا اسی طرح کر دینا فرض ہو گیا ہے جس طرح ہم چاہتے ہیں اور اگر اس طرح نہیں ہو سکتا تو پھر ایسے خدا کی عبادت کرنے سے کیا فائدہ۔ اس خیال کی وجہ سے کئی لوگ دہریہ ہو گئے ہیں۔ پہلے خیال کے لوگ بھی اسی خیال کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ اور اسی بات کا اثر ہے کہ عام طور پر لوگ بد دعا سے بہت ڈرتے ہیں اور سمجھتے ہیں جب کسی نے بد دعا دی تو وہ فوراً قبول ہو جائے گی اور ہم برباد ہو جائیں گے۔ عورتوں میں تو یہ خیال بہت ہی ترقی پر ہے۔ وہ سمجھتی ہیں جب کسی نے کہا تیرا بچہ مرے تو بس وہ ضرور ہی مر جائے گا۔ وہ اتنا نہیں سوچتیں کہ خدا "اندھیر نگری چوپٹ راجہ" نہیں بلکہ وہ بصیر ہستی ہے وہ خود ہر بات کو دیکھتا ہے۔ اس سے بڑھ کر کیا ظلم ہو سکتا ہے کہ کوئی منہ سے کہہ دے کہ یا الٰہی فلاں کے بچے مر جائیں تو خدا مارنا شروع کر دے۔ تو عورتوں نے خصوصاً بد دعا کو ایک کھیل اور تماشہ سمجھ رکھا ہے اور ان کا اعتبار دعا کی قبولیت کی نسبت بد دعا پر بہت زیادہ ہے گویا وہ سمجھتی ہیں کہ خدا کچھ دینے کو اس طرح تیار نہیں ہوتا جیسا لینے کے لئے ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دلوں میں مخفی طور پر یہ احساس ہے کہ خدا تعالیٰ نعوذ باللہ ظالم اور سخت گیر ہے وہ دعا کو اتنا نہیں سنتا جتنا بد دعا کو سنتا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ دعائیں سنتا ہے اور بد دعا کو نہیں سنتا۔ چنانچہ فرمایا رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْئٍ (الاعراف ۱۵۷) کہ میری جملہ صفات پر میری رحمت غالب ہے۔ اور جب رحمت غالب ہے تو رحمت تو دعا کو قبول کرنے والی چیز ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ رحمت دبی رہے اور قہر غالب آجائے۔ یہ دعا کا غلط مفہوم ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص ساری عمر دعائیں کرتا رہے۔ وہ نیک و متقی بھی ہو۔ احکام شریعت پر چلنے والا بھی ہو۔ مگر وہ مر جائے اور اس کی دعا قبول نہ ہو۔ اور ایک دوسرے شخص کے دل میں چلتے چلتے ایک خواہش پیدا ہو اور وہ پورے طور پر اس کو الفاظ میں ادا بھی نہ کرنے پائے اور وہ پوری ہو جائے۔ مگر ساری عمر دعا کرنے کے باوجود دعا کے قبول نہ ہونے کے یہ معنے ہرگز نہیں ہو سکتے کہ دعا رد کر دی جاتی ہے۔ جیسے ایک مریض سینکڑوں طبیبوں کے علاج کے باوجود مر جاتا ہے تو اس سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ علم طب ہی کوئی چیز نہیں۔

ایک دوسرے مریض کو کسی حکیم یا طبیب کا علاج یا مشورہ میسر نہیں ہوتا بلکہ ایک بڑھیا صرف اتنا کہتی ہے کہ ہمارے ہاں بھی ایک شخص اس مرض میں مبتلاء ہوا تھا تو ہم نے اسے فلاں

چیز دی تھی اور وہ اچھا ہو گیا- اس بڑھیا کو اس مریض اور اپنے مریض کی طبائع کے اختلاف کا کچھ علم نہیں' بیماریوں کی علامتوں کا کچھ پتہ نہیں' دونوں میں بیماری پیدا ہونے کی وجوہات کی کچھ خبر نہیں صرف اتنا کہہ دیتی ہے کہ ہم نے اپنے مریض کو یہ چیز دی تھی- اب اتفاق ایسا ہو جاتا ہے کہ دونوں کی حالت ایک ہی سی ہوتی ہے اور وہ بھی اسی چیز سے شفایاب ہو جاتا ہے- مگر بادشاہ مرجاتے ہیں اور اس سے علم طب کا غیر صحیح ہونا ثابت نہیں ہو سکتا-

پس بعض دعاؤں کا قبول نہ ہونا بتاتا ہے کہ کوئی اور بھی قانون اور صفات ہیں جو دنیا میں کام کر رہی ہیں- جو آیت اس امر کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہے کہ ہر دعا قبول ہونی چاہئے اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر دعا قبول نہیں ہو سکتی- خدا تعالیٰ فرماتا ہے اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (البقرہ ۱۸۷)- لوگ کہتے ہیں اس کے یہ معنی ہیں کہ جب کوئی بندہ خدا تعالیٰ کو پکارتا ہے تو وہ اس کی دعا قبول کرتا ہے- مگر اسی پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ ہر دعا قبول نہیں ہوتی- ایک شخص دعا کرتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ اس کی دعا قبول ہو جائے مگر دعا کرتے وقت اس کے ذہن میں وہ خدا نہیں ہوتا جو کئی صفات کا مالک ہے- بلکہ اس کے سامنے ایک دوسرا خدا ہوتا ہے جو اس کا ذہنی خدا ہوتا ہے- وہ سمجھتا ہے خدا ایک وجود ہے اور اس کا یہی کام ہے کہ میری مراد پوری کر دے- وہ اس کو مختلف صفات کا خدا نہیں سمجھتا بلکہ ایک خاص ذہنیت اس کے متعلق رکھتا ہے- مگر خدا تعالیٰ کی بعض صفات ہی چاہتی ہیں کہ اس کی دعا رد کر دی جائے- خدا تعالیٰ کی صفات غنی' جبار' قہار' رحمٰن سب ہی ہیں- کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اگر وہ ایک شخص کی دعا کو قبول کرے تو یہ اس کی دوسری صفات کے خلاف ہوتی ہے- ایک بڑھیا عورت ہے اس کا اکلوتا لڑکا قید ہو جاتا ہے وہ اس کی آزادی کے لئے دعا کرتی ہے- اب خدا بے شک آزاد کرنے والا ہے مگر وہ اس بڑھیا کا ہی تو خدا نہیں وہ سب کا خدا ہے اور وہ جانتا ہے کہ اس کو آزاد کرنے سے سینکڑوں انسان قید ہوں گے اس لئے وہ اس کی دعا کو رد کر دیتا ہے- تو خدا نے فرمایا میں جو اصلی خدا ہوں اور تمام صفات کا مالک ہوں تمہارا ذہنی خدا نہیں ہوں اگر تمہاری دعا میری صفات کے مطابق ہوگی تو وہ ضرور قبول ہوگی اور جب کوئی انسان قرآن کے پیش کردہ خدا کو پکارتا ہے تو اس کی پکار ضرور سنی جاتی ہے- خدا رحمان' رحیم' قہار' شدید العقاب سب صفات اپنے اندر رکھتا ہے اور دعا جب ان صفات والے خدا سے مانگی جائے تو وہ ضرور قبول ہوتی ہے- لفظ عَنِیۡ میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ سب صفات والا خدا

ہے۔ اگر وہ ایک شخص کو چھوڑتا ہے تو دوسرے کہتے ہیں ہم مارے جائیں گے۔ اس صورت میں اس کی صفت قہار ہی غالب آئے گی اس لئے وہ اس کو نہیں چھوڑتا۔ تو خدا نے یہ کہیں نہیں کہا کہ میری ایک ہی صفت سے مانگو۔ اگر وہ کہتا کہ اُدْعُ الرَّحْمٰنَ تو شاید بہت ہی کم دعائیں رد کی جاتیں مگر اس آیت میں کوئی استثناء نہیں۔ لفظ عَنِّیْ ہے۔ جس میں اس کی تمام صفات کا ذکر ہے۔

پس جو دعا قبول نہیں ہوتی سمجھ لو کہ وہ خدا کی صفات کے مطابق نہیں خدا کی صفات کی مثال جیوری کی ہے اور جیوری کے ایک ممبر کی رائے پر کبھی فیصلہ نہیں ہؤا کرتا بلکہ تمام ممبروں کی رائے کا خیال رکھا جاتا ہے۔ پس جو دعا جمیع صفات والے خدا کے سامنے پیش ہو وہ کبھی رد نہیں کی جاتی۔ یعنی جو دعا اس کی تمام صفات کے مطابق ہوگی اور ان کو آپس میں ٹکرانہ دے گی وہ ضرور قبول کی جائے گی۔ پس وہ لوگ پاگل ہیں اور نادان ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ دعا قبول نہیں ہوتی۔ دعا ضرور قبول ہوتی ہے مگر دعا ایسی ہونی چاہئے جو خدا کے شایان شان اور اس کی صفات کے مطابق ہو۔ بعض عورتیں میرے پاس آتی ہیں کہ فلاں نے میری بچے کو بد دعا دی ہے اب کیا ہو گا۔ میں کہتا ہوں یہ بد دعا کس کے سامنے پیش ہو گی شیطان کے پیش تو نہیں ہوگی۔ خدا تعالیٰ کے ہی پیش ہو گی اور وہ یقیناً اس کو رد کر دے گا۔ پس ان ایام میں دعاؤں پر خاص زور دینا چاہئے اور ان دنوں سے خاص فائدہ اٹھانے کی کوشش کرنا چاہئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کو بھی دعاؤں سے خاص تعلق ہے۔ رسول کریم ﷺ نے جو یہ فرمایا ہے کہ میں نے اس کے بالوں سے اس طرح پانی ٹپکتا دیکھا ہے جیسے کوئی حمام سے غسل کر کے نکلے[5] اس میں اسی کی طرف اشارہ ہے کہ وہ دعاؤں میں سخت مجاہدہ کرنے والا ہو گا۔

(الفضل ۲۳ / مارچ ۱۹۲۸ء)

۱۔ بخاری کتاب فضائل القرآن۔ باب کان جبریل۔عرض القرآن علی النبی ﷺ۔
۲۔ مسلم کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ باب استحباب الذکر بعد الصلوٰۃ و بیان صفتہ۔
۲ " " " " " " " " " " " " "
۳ " " " " " " " " " " " " " " " "
۴ " " " " " " " " " " " " " " " "
۵ بخاری کتاب الانبیاء باب قولہ "واذکر فی الکتب مریم اذ انتبذت ..."